مشترکہ خاندانی نظام اور اسلام

مولانا سلطان احمد اصلاحی

بوڑھے باپ کا آخری وقت آیا تو اس نے اپنے جوان بیٹوں کو اپنے پاس بلایا۔ لاٹھیوں کا ایک گٹھر منگایا اور ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک لاٹھی تھما دی۔ پھر ہر ایک سے اسے توڑنے کو کہا۔ سب نے توڑ دیا۔ تب اس نے لاٹھیوں کو گٹھر میں جمع کرایا اور دوبارہ ایک ایک سے اس کو توڑنے کو کہا۔ اب کوئی نہ توڑ سکا۔ اس پر بوڑھا باپ سنبھلا اور بیٹوں کو مخاطب کر کے بولا۔ بیٹو! میرے بعد اگر تم سب اسی طرح ایک ساتھ مل کر اور ایک رائے رہو گے تو تمہاری قوت مجتمع رہے گی اور تمہارا کوئی کچھ بگاڑ نہ سکے گا۔ جیسا کہ مجتمع لاٹھیوں کے گٹھر کو تم میں سے کسی کے لیے توڑنا ممکن نہ ہو سکا۔ لیکن اگر تم الگ الگ ہو کر منتشر ہو جاؤ گے تو تمہاری قوت بکھر جائے گی۔ اور الگ الگ لاٹھیوں کی طرح ہر کوئی تمہیں آسانی سے توڑ دے گا۔ ہماری درسیات میں رائج اس مشہور کہاوت سے ہندوستان میں "مشترکہ خاندانی نظام" (JOINT FAMILY SYSTEM) کے ادارہ کی اہمیت، نیز اس کی عظمت اور تقدس کا اندازہ آسانی کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ بندھے ہوئے خاندان کو خوش بختی و خوش حالی کی علامت اور بکھرے ہوئے خاندان کو بدبختی و بدحالی کا مظہر تصور کیا جاتا ہے۔

اس نظام کے محرکات

اسی تمہید سے اس نظام کے محرکات کا اندازہ بھی کیا جا سکتا ہے جو بنیادی طور پر دو ہیں :۔

۱۔ بالادستی کی خواہش

اس نظام کا پہلا بنیادی محرک بالادستی کی خواہش ہے۔ نفری قوت کو ہر دور اور ہر زمانے

میں غیر معمولی اہمیت حاصل رہی ہے۔ آج کے زمانہ میں بھی اس کی یہ اہمیت اسی طرح مسلم ہے۔ افرادی طاقت جس کے پاس بھی زیادہ ہوگی اسے اپنے ماحول میں تسلط اور بالادستی حاصل ہوگی۔ خاص طور پر دیہاتی اور قصباتی زندگی کے پس منظر میں اس کی اہمیت کو زیادہ بہتر طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ جہاں عملاً 'جس کی لاٹھی اس کی بھینس' کی مشہور مثل پر عمل ہوتا ہے۔ زراعتی بنیاد کی حامل آبادی مشترکہ خاندان کو اپنی اہم ترین ضرورت سمجھتی ہے۔ ہندوستان کی تقریباً اسی فیصدی آبادی آج بھی دیہاتوں ہی میں رہتی ہے جو اسی زراعتی بنیاد کی حامل ہے۔ اس طرح 'مشترکہ خاندانی نظام' کو موجودہ ہندوستان کا نمایاں اور اہم ترین مسئلہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ خاندان کے افراد باہم جڑے ہوں گے تو ضرورت کے وقت بہت سی لاٹھیاں ایک ساتھ نکلیں گی۔ اور فریق مخالف کو آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ ہوگی۔ اگر خاندان تقسیم ہوگیا تو اس کے ساتھ ہی اس کی قوت بھی بکھر جائے گی۔ قریبی ماحول سے گھر کی ہیبت نکل جائے گی۔ اور مقامی سطح پر حاکمیت کے بجائے محکومیت اس کا مقدر بن جائے گی۔ اپنے ماحول میں کسی گھر کو یہ بالادستی اسی وقت تک حاصل رہ سکتی ہے جبکہ لمبا چوڑا خاندان ایک شیرازے میں کسا ہوا ہو۔ اس شیرازے کا ٹوٹنا بالادستی کے خاتمہ کی علامت ہوگا۔

جائداد کا ارتکاز

بندھے ہوئے خاندان کی بالادستی کی خواہش کی تکمیل اسی وقت ہوسکتی ہے جبکہ افرادی قوت کے ساتھ گھر کی مالی حیثیت بھی مستحکم ہو۔ مشترکہ خاندانی نظام کے خاکہ میں اس مقصد کے حصول کا بڑا ذریعہ جائداد کا ارتکاز ہے۔ جو اس نظام معاشرت کا دوسرا بنیادی محرک ہے۔ دیہی زندگی کے پس منظر میں جہاں اس نظام کو مطلوب بلکہ ضروری سمجھا جاتا ہے وہاں زمینی جائداد کی اہمیت جیسی کچھ ہے معلوم ہے۔ زمینی جائداد کی اہمیت آج کے زمانہ میں بھی کچھ کم نہیں ہے۔ رئیسوں اور وزیروں میں اچھی خاصی تعداد آج بھی جاگیرداروں اور زمینداروں کی ہے۔ جبکہ یہ دور صنعتی انقلاب کا ہے۔ اور ہندوستان جیسے ملک میں بھی خوش بختی و خوش حالی کا مرکز ثقل بڑی حد تک زراعت سے صنعت کی طرف منتقل ہو چکا ہے۔ تو سابقہ ادوار میں جبکہ زمینداری اور جاگیرداری نظام ہی وقت کا غالب اور حکمراں نظام تھا اور جس کے بقایا آج بھی خاص طور پر ملک کی دیہی زندگی میں تقریباً ہر جگہ دیکھے جا سکتے ہیں، اس پس منظر کی حامل آبادی اور اس پس منظر کے حامل معاشرے میں زمینی جائداد کی اہمیت جتنی اور جیسی کچھ ہوسکتی ہے اس کا

اندازہ کرلینا کچھ مشکل نہیں ۔گھر بٹیں گے تو جائداد تقسیم ہوجائے گی۔جس کے نتیجے میں خاندان مالی حیثیت سے کمزور ہوجائے گا۔گاؤں کا سو بگھے کا بڑا زمین دار جس کا اپنے قریبی ماحول میں طوطی بولتا تھا، اس کی جائداد دس بیٹوں میں تقسیم ہوکر دس بگھے کی ناقابل لحاظ وحدت میں تبدیل ہوکر رہ جائے گی۔اور آن کی آن میں اس مانے ہوئے خاندان کا قد غیر معمولی طور پر چھوٹا ہوجائے گا۔

ولد اکبر کی حکمرانی

مشترکہ خاندانی نظام کے پیش نظر مقاصد کی تکمیل کی ایک ہی صورت ہوسکتی تھی کہ پھیلے ہوئے خاندان پر ایک شخص کی حکمرانی قائم ہوجائے۔باپ کی موجودگی میں یہ کام اس کے ذریعہ انجام پاتا ہے جبکہ بسا اوقات وہ اپنی زندگی ہی میں بالعموم اپنے بڑے لڑکے کو اپنا قائم مقام قرار دے دیتا ہے۔اس نظام کا نمائندہ مثالی خاندان وہ ہے جس کے ہاں باپ کی زندگی میں اس کے لڑکے کو خاندان پر وہ بالادستی حاصل ہوجائے کہ اس کے سامنے اس کے دوسرے بھائیوں اور گھر کے دوسرے افراد کو دم مارنے کی مجال نہ رہے۔یہی لڑکا باپ کے مرنے کے بعد اس کا بہمہ وجوہ جانشین ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں باپ کی چھوڑی ہوئی پوری جائداد کا تصرف اور پورے گھر کا وہ تنہا مالک اور ذمہ دار ہوتا ہے۔شاید یہ اسی نظام کی دین ہے جو ہمارے ہاں یہ مثل رائج ہوئی کہ سگ باش برادر خورد مباش۔مطلب یہ کہ آدمی کتا ہو یہ زیادہ بہتر ہے بمقابلہ اس کے کہ وہ چھوٹا بھائی ہو۔

اس نظام کی بنیاد

یہ نظام معاشرت اپنی بنیاد کے اعتبار سے خالص جاہلی ہے۔ہندو نظام زندگی کا یہ پسندیدہ طرز معاشرت ہے۔جو آگے بڑھ کر باپ کے بعد اس کے بڑے بیٹے کو اس کی پوری جائداد کا تنہا وارث اور اس کے چھوٹے بھائیوں کو ہر طرح سے اس کے اوپر منحصر (DEPENDENT) قرار دیتا ہے[1] اسلام سے پہلے عرب کے جاہلی نظام کا بھی یہ پسندیدہ طرز معاشرت تھا۔جس میں انتہائی

---

[1] منوسمرتی: ادھیائے ۹: ۱۰۵ تا ۱۰۸ مترجمہ لالہ سوامی دیال صاحب مطبوعہ نول کشور کان پور طبع دوم

ظالمانہ طریقہ سے باپ کے مرنے کے بعد اس کی بیوی اور چھوٹی اولاد کو اس کے چھوڑے ہوئے ترکے سے بالکل محروم رکھا جاتا تھا۔ باپ کے بعد اس کے کل اثاثہ کا تنہا وارث اس کا بڑا لڑکا ہوتا تھا[۱] یہاں تک کہ وہ انتہائی بے غیرتی کے ساتھ اس کے مال و اسباب کے ساتھ اس کی بیوہ کا بھی وارث ہوجاتا تھا۔ جسے اگر وہ چاہتا تو اپنے نکاح میں لیتا بصورت دیگر جس کے حبالہ عقد میں چاہتا وہ اسے دے سکتا تھا[۲]

مشترکہ خاندانی نظام کے نقصانات

بظاہر یہ بات بڑی اچھی معلوم ہوتی ہے کہ پھیلا ہوا خاندان ایک ساتھ رہے، گھر پھلے پھولے، اس کی جائداد بڑھے اور وہ دن دونی رات چوگنی ترقی کرے۔ لیکن حقیقت کے اعتبار سے مشترک خاندانی نظام اپنے ساتھ بڑے نقصانات رکھتا ہے۔ اور چند در چند مضرتیں اس کے ساتھ لگی ہوئی ہیں۔

نفسیاتی پہلو

اس نظام کا سب سے پہلا نقصان نفسیاتی پہلو سے ہے۔ ایک باشعور اور با ارادہ ہستی ہونے کی حیثیت سے پرائیویسی انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے جو ہر صاحب شعور شخص اپنے لیے الگ مکان اور اس سے ملحق الگ سہولیات کا طلبگار ہوتا ہے۔ یہ سہولت اسے حاصل نہ ہو تو اس کا سکون درہم برہم ہوتا ہے اور ہر وقت ایک طرح کی بے اطمینانی کی کیفیت کا شکار ہوتا ہے۔ مشترکہ خاندان میں اس کی پرائیویسی ہر وقت مجروح اور ایک مسلسل بے چینی اس کے ساتھ لگی ہوتی ہے۔

معاشرتی پہلو

معاشرتی پہلو سے بھی یہ نظام اپنے ساتھ بڑی ناہمواریاں رکھتا ہے۔ اگرچہ بڑے خاندان کے حق میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ گھر کی بہت سی سہولتوں کے مشترک ہونے کے باعث کفایت اور معاشی اعتبار سے خاندان کی بچت ہوتی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس نظام کے ساتھ

---

[۱] جامع البیان: ۴/۱۴۲، میمنہ، مصر

[۲] حوالہ سابق: ۴/۱۹۳۔ نیز: تدبر قرآن: ۲/۴۱۔ انجمن خدام القرآن لاہور، طبع دوم ۱۹۷۶ء

معاشرت کی جو دشواریاں اور اس کے جو مضر اثرات ہیں اس کے مقابلہ میں اس طرح کے فوائد کی اہمیت بالکل ناقابل لحاظ ہو جاتی ہے۔ گھر ایک ساتھ ہوگا تو سب کا کھانا ایک ساتھ ہوگا۔ اور اپنی پسند اور اپنی ترجیحات سے دستبردار ہو کر آدمی اس کے مینو اور اس کے نظام کا پابند ہوگا۔ اس سے ہٹ کر اس دائرہ میں اپنی کسی پسند پر عملدرآمد اس نظام کے احترام کے منافی ہے۔ جس کے نتیجے میں بسا اوقات آدمی مثالی مشترک خاندانی نظام کے عتاب میں آئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کسی بھی با اختیار اور صاحب ارادہ وجود کے لیے یہ چیز جس قدر ناگوار اور سوہان روح ہو سکتی ہے اس کا اندازہ ہر شخص کر سکتا ہے۔ گھر سے ملحق دوسری متعلقہ سہولتوں کے مشترک ہونے کے باعث ہر وقت بھیڑ بھاڑ، اژدہام اور کشمکش کی جو کیفیت رہتی ہے، اس سے پیدا ہونے والی ہمہ وقتی بے اطمینانی کی کیفیت اس کے علاوہ ہے۔ آدمی زندگی بھر گھر کے سکون سے ناآشنا مدت عمر پلیٹ فارم کی سی کیفیت میں گزار دیتا ہے۔

دینی پہلو

اس کے علاوہ اس نظام میں ایک نقص دینی پہلو سے بھی ہے جو خاص طور پر ایک مسلمان کے لیے غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ مسلمان اپنی زندگی میں سب سے پہلے اللہ کا وفادار ہوتا ہے۔ نماز اس کی زندگی میں خاص طور پر اللہ سے وفاداری کا سب سے بڑا مظہر ہے۔ مشترکہ خاندانی نظام میں بسا اوقات بعض خاص حالات میں ایسی صورت پیش آتی ہے کہ اس سب سے بڑے دینی فریضے کی ادائیگی کے لیے حالات ناساز گار ہو جاتے ہیں۔ جیسے خاص طور پر ہندوستان کے مخصوص پس منظر میں کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ پھیلے ہوئے خاندان میں نئے شادی شدہ جوڑے کے لیے بڑا مشکل ہے کہ وہ اپنی نمازوں کو بچالے جائے۔ بڑھی ہوئی قوت ارادی کا حامل لڑکا اس مہم کو سر بھی کر لے جائے تو نئی نویلی لڑکی کے لیے یہ چیز بہت مشکل ہے۔ اس جذبۂ حیا کو بالکل بے جا اور دین سے ہٹا ہوا قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اسلام میں عرف و عادت کو غیر معمولی اہمیت دی گئی ہے۔ ہندوستان کے پس منظر میں یہ جذبۂ حیا، جسے چاہے بیجا کہا جائے، اپنی جڑیں بڑی گہری رکھتا ہے۔ جسے آنکھیں بند کر کے یوں ہی نہیں چھوڑا جا سکتا۔ گھر الگ ہو جائے تو یہ مسئلہ آسانی سے حل ہو سکتا ہے اور ایک عذر بے جا کے نتیجے میں نمازیں قضا ہونے سے محفوظ ہو جائیں گی۔ دنیادار معاشرہ کی نظروں میں چاہے اس کی اہمیت کچھ زیادہ نہ ہو لیکن ایک مسلمان کے لیے جماعت کی نماز

دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے۔ الگ گھر میں اگر اسے یہ نعمت حاصل ہو یا وہ اس کے حق میں معاون و مددگار ہی ہو سکتی ہو تو اس کے بالمقابل مادی منفعتوں کا کوئی بڑا سے بڑا لالچ بھی اس کے لیے قابل التفات نہیں ہو سکتا۔

مالیاتی پہلو

مالیاتی پہلو سے بھی مشترک خاندانی نظام بڑی بے اعتدالی کا شکار ہے۔ مالی مرکزیت اس نظام کا سب سے بڑا امتیاز ہے۔ خاندان کے دس کمانے والوں کا ایک شخص نگراں اور ذمہ دار ہوتا ہے۔ اور ملنے والی رقم کے سلسلے میں وہ پوری طرح آزاد اور خود مختار ہوتا ہے۔ انسان کی فطرت ہے کہ وہ جو کچھ کماتا ہے اسے اپنے فائدے کے لیے استعمال ہوتے دیکھنا چاہتا ہے۔ خود کما کر اسے پورا پورا دوسرے کے حوالے کر دینا اس کی سرشت کے خلاف ہے۔ اس کا نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ گھر کے مرکزی نظام کے احترام میں اپنی کمائی کا ایک حصہ خاندان کے سربراہ کے حوالہ کرتا ہے۔ اور ایک حصہ مختلف چور دروازوں کو استعمال کر کے اپنے لیے الگ پسنداندازکرتا ہے۔ ہاتھ کی پانچ انگلیوں کی طرح اللہ نے دنیا میں ہر آدمی کی روزی الگ الگ رکھی ہے۔ اس طرح خاندان کی مرکزیت کے ساتھ اسی گھر میں مختلف مالی حیثیتوں کے ساتھ لوگ ایک میں ہوتے ہوئے الگ الگ آگے بڑھتے رہتے ہیں۔ اور دیر سویر اس غیر فطری نظام کا شیرازہ جب بکھرتا ہے تو جوئے کی بازی کے مانند کسی کی مٹھی بھری ہوتی ہے اور کسی کی بالکل خالی اس نظام کا جو جتنا مخلص اور اپنے اور اپنے اہل و عیال کے مفادات سے جتنا ہی لاپروا اور بے خیال ہوگا انجام کار حسرت و ندامت بھی اس کے حصے میں اسی کے بقدر وافر ملے گی۔ گھر کا سربراہ خاندان کا شیرازہ یکجا ہونے کی صورت میں کچھ نہ کما کر بھی اس کے جملہ معاملات کا ذمہ دار اور گھر کے تمام تر سیاہ و سفید کا مالک ہوتا ہے۔ اس منصب امامت کے لیے اپنے اور اپنے اہل و عیال کے فوری اور قریبی مفادات کو نظر انداز بلکہ بالائے طاق رکھنے کے مطلوبہ وصف و معیار کو پورا کرنے کی صورت میں خاندان کی تقسیم کے وقت اس کا انجام ظاہر ہے کہ اسے بالکل خالی ہاتھ اور قابل رحم صورت سے دوچار ہونا چاہیے۔ اپنے اس خوفناک اور بھیانک انجام سے بچنے کے لیے گھر کا سربراہ اکثر و بیشتر حکومت کے انکم ٹیکس سے بچنے والے دوکان داروں اور کارخانہ داروں کی طرح، حساب کتاب کی دوہری صورت پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ گھر کا صحیح حساب کچھ ہوتا ہے اور اس کے

سامنے وہ کسی دوسری صورت میں پیش کرتا ہے۔ حکومت کے بجٹ کی طرح اس کا بجٹ بھی اکثر و بیشتر خسارے ہی کا ہوتا ہے۔ اور مستقبل کے اندیشوں کو سامنے رکھتے ہوئے وہ بسا اوقات فرضی حساب اور فرضی گھاٹے دکھا کر اپنی مالی پوزیشن کو مستحکم کرتا ہے۔ یہ پوری صورت حال خاص طور پر اسلام کے نقطۂ نظر سے 'مال کو حرام اور باطل طریقے سے کھانے' کے زمرے میں آتی ہے جسے قیامت کے روز خدا تعالیٰ بھی معاف نہ کرے گا۔ اس نامطلوب نظام معاشرت میں جب گھر کے باشعور اور سمجھ دار لوگوں کا مال خرد برد سے محفوظ نہیں رہ سکتا تو اس کے اندر یتیموں اور بے سہارا افراد کی جائداد اور ان کے مال و متاع کی حفاظت و نگرانی کی ضمانت کیا ہو سکتی ہے۔ پورا گھر یتیموں کا مال ظلم سے کھا کر قرآن کے لفظوں میں اپنے پیٹ جہنم کی آگ سے بھرتا ہے۔ خاص طور پر اسلام کے کسی مخلص عمل پیرا کے لیے یہ صورت حال جتنی بھیانک اور قابل پرہیز ہو سکتی ہے اس کے سلسلے میں کچھ کہنے کی حاجت نہیں ہے۔

ناگزیر نابرابری

گھر کے باہر کی طرح گھر کے اندر بھی پیسے والے کی عزت دوسروں سے زیادہ ہوتی ہے۔ کمانے والے آدمی کو باہر کی طرح یہاں بھی سر آنکھوں پر بٹھایا جاتا ہے۔ مشترک خاندان میں چاہے ضابطہ میں گھر کا ذمہ دار کوئی اور ہو کمانے والوں کو خاص طور پر بڑھی ہوئی عزت و توقیر اور اس کے معاملات میں بالادست پوزیشن حاصل ہوتی ہے جس کی کمائی جتنی زیادہ ہوگی پھیلے ہوئے خاندان میں اس کو عزت اور بالادستی بھی اسی کے بقدر حاصل ہوگی۔ یہ عزت و بالادستی ناگزیر طور پر کمانے والے کے ساتھ اس کے بیوی بچوں تک منتقل ہوتی اور اس کا انھیں قرار واقعی حصہ ملتا ہے اس طرح گھر کے اندر خارجی طور پر نام نہاد برابری کے دعوی اور اظہار و شہرت کے باوجود، اندرونی طور پر ناگزیر نابرابری پلتی اور پروان چڑھتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ گھر کے نہ کمانے والے مردوں کی طرح ان کے بیوی بچے بھی اکثر و بیشتر ملک کے دوسرے درجہ کے شہری کی طرح گھر کے دوسرے درجے کے افراد (MEMBERS) میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات نوبت صریح مزدوری اور غلامی تک پہنچتی ہے۔ نہ کمانے والا چچا کمانے والے بھائی کے لڑکوں کے سامنے زبان کھولنے کی جرأت نہیں کر سکتا اور اس کے بیوی اور بچے گھر کے خادم اور خادماؤں کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ کمانے والے کی طرح اس کے بیوی بچے بھی گھر کے حاکم اور افسر اور اٹھ کر

پانی پینے تک کے روادار نہ ہوں گے۔ اور نہ کمانے والے کے بیوی بچے ان کے چوبیس گھنٹے کے ملازم اور غلام نہ ہو کر بھی غلامی کی زنجیریں کسے ہوں گے۔

شخصیت کے ارتقا میں رکاوٹ

نابرابری کے اس ماحول میں شخصیت کے ارتقا میں جیسی کچھ رکاوٹ ہوگی اسے ہر شخص محسوس کر سکتا ہے۔ فرد کی ترقی اور شخصیت کے اٹھان میں حالات اور ماحول کا اثر غیر معمولی ہوتا ہے۔ حالات سازگار اور ماحول معاون ہو تو کمتر درجے کی صلاحیتیں بھی ترقی کر کے کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہیں۔ حالات ناسازگار اور ماحول غیر معاون ہو تو بسا اوقات اعلیٰ درجہ کی صلاحیتیں بھی سکڑ کر رہ جاتی ہیں۔ کچھ مثالیں استثنائی بھی ہو سکتی ہیں کہ نامساعد سے نامساعد حالات میں بھی آدمی ابھرا اور کہیں سے کہیں پہنچا، لیکن ظاہر ہے استثنا کو عام اصول کی حیثیت حاصل نہیں ہو سکتی۔ عام اصول یہی ہے کہ آدمی ننانوے فی صدی سے زیادہ ماحول اور حالات کی پیداوار ہوتا ہے۔ جس کے حصار سے وہ نکل سکتا اور نہ اس کے اثرات سے غیر متعلق ہو سکتا ہے۔ اس پس منظر میں جبکہ پھیلے ہوئے خاندان کے کچھ افراد نیم غلامی اور محکومی کی زندگی بسر کر رہے ہوں ان کی تعلیم و تربیت، ان کے رجحانات و میلانات کی رعایت اور ان کی شخصیت کے ارتقار کا جیسا اور جتنا کچھ لحاظ کیا جا سکتا ہے اس کا اندازہ کر لینا چنداں مشکل نہیں۔ بلکہ دیکھا گیا ہے کہ بسا اوقات گھر کی مستحکم معاشی حالت (SOUND ECONOMIC POSITION) کے باوجود محض مشترک خاندان کی ناگزیر باہمی آویزش اور کشاکش کے نتیجے میں گھر کے بہت سے قابل افراد کو نفس تعلیم ہی سے محروم رہنے کے لیے مجبور کر دیا جاتا ہے۔ موہوم معاشی مسائل کا ہوّا اور مالی ناہمواریوں کا واویلا مچا کر دیدہ و دانستہ گھر کے بہت سے نونہالوں کو صرف باہمی چشمک اور رقابت کے باعث ناخواندہ و جاہل چھوڑ دیا جاتا اور قبل از وقت کمائی کی مشین کا پرزہ بنا دیا جاتا ہے۔ مشترک گھر کے محروم اور نابرابری کے شکار عمر رسیدہ لوگوں کا چنداں مسئلہ نہیں کہ جیسے تیسے انھوں نے اپنی عمر گزار دی اور بقیہ زندگی بھی کسی نہ کسی طرح گزار ہی لیں گے۔ البتہ اصل افسوس ان کلیوں کا ہوتا ہے جو محض اس نامطلوب نظام کی نحوست سے قبل از وقت مرجھانے اور اس کے نتیجے میں عمر بھر کے لیے ادھر ادھر کی ٹھوکریں کھانے کے لیے مجبور ہو جاتی ہیں۔

معاشی نقصان

مشترک خاندان کے حق میں ایک بات یہ کہی جاتی ہے کہ اس کی برکت سے گھر کے بہت سے کمزوروں اور کم صلاحیت لوگوں کی پرورش و پرداخت اور ان کی نگہداشت ہو جاتی ہے۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ یہ ادارہ گھر کے لوگوں میں بہت سوں کو کمزور کرتا اور انھیں ناکارہ اور نا اہل بنانے میں مدد کرتا ہے۔ دنیا میں جو انسان بھی آتا ہے اللہ نے اس کی رزق رسانی کا ذمہ لے رکھا ہے۔ انسانوں کی عظیم اکثریت کو اس نے صحت و تندرستی سے نوازا اور انھیں مضبوط ہاتھ پاؤں کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ اگر آدمی ہاتھ پاؤں مارے اور اپنے بس بھر محنت مشقت سے کام لے تو اپنی اور اپنے بیوی بچوں کی پرورش کا سامان نہ کر سکے۔ انسانی دنیا میں مختلف حیثیتوں سے فرق مراتب فطرت کا اٹل قانون ہے جسے بدلا نہیں جا سکتا۔ اور زندگی کے بے شمار نعمتوں کی طرح انسان کو روزی بھی اپنے حصہ کے بقدر ہی ملتی ہے۔ بھرپور معاشی جدوجہد کے باوجود لوگوں کے درمیان درجات کا فرق اور حیثیتوں کا تفاوت ضرور رہے گا۔ اور تمام کے تمام لوگ یکساں فارغ البال اور آسودہ حال نہ ہوں گے۔ لیکن اگر انسان اپنی حد تک کوشش کرے تو خدا تعالیٰ مدد فرماتا ہے اور وہ اپنی ضروریات زندگی کا سامان کر سکتا ہے۔ جبکہ مشترکہ خاندان اپنے بہت سے افراد کی فرضی کفالت کا ذمہ لے کر انھیں جدوجہد کے اس میدان میں اترنے ہی سے باز رکھتا ہے۔ جس شخص نے اپنی پوری زندگی دوسروں کے رحم و کرم پر گزار دی ہو وہ آخری عمر میں کچھ کرنا بھی چاہے تو اسے کامیابی ملنی مشکل ہے۔ یہاں تک کہ اس کے نقصان سے گھر کا سربراہ بھی اپنے کو بچانے میں کامیاب نہیں ہو پاتا بلکہ بسا اوقات جب دوسروں کا پہنایا ہوا تاج اس کے سر سے اترتا ہے تو اس کا حال سب سے پتلا اور دگرگوں ہوتا ہے۔ اس نامطلوب نظام کی بندش نہ رہے تو ہر شخص آزادانہ ہاتھ پاؤں مارے اور اپنی دنیا الگ بنائے۔ خدا کے فضل سے ہم کنار ہو اور خوش و خرم زندگی بسر کرے۔

تعلقات کی خرابی

ان چند در چند نقصانات کے علاوہ مشترک خاندانی نظام کا ایک بڑا نقصان تعلقات کی خرابی ہے۔ انسان کی فطرت ہے کہ وہ ایک جگہ جن لوگوں کے ساتھ رہتا ہے ان سے طبیعت

میں ایک طرح کی بیزاری پیدا ہو جاتی ہے۔ مکان الگ الگ ہو کر بھی ایک ساتھ رہنے والوں کی نسبت سے کسی نہ کسی درجہ میں یہ چیز پیدا ہو کر رہتی ہے۔ اس نفسیاتی کمزوری کے ساتھ اگر مکان کی یکجائی بھی شامل ہو جائے تو بیزاری کے اسباب میں جو قوت اور شدت پیدا ہو جائے گی وہ بالکل ظاہر ہے۔ مشترک خاندانوں میں افرادِ خانہ کی ایک دوسرے سے بیزاری اور اس کے نتیجہ میں بات بات پر شکر رنجی اور ہر وقت کی کھٹ پٹ اور ان بن، اس پس منظر میں اس کے اسباب کے سرے کو بھی آسانی کے ساتھ پکڑا جا سکتا ہے۔ خاص طور پر اس صورت میں جبکہ گھر کی نصف آبادی اکثر و بیشتر ایک دوسرے کے لیے اجنبیوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ باپ کی موجودگی میں یا اس کے بعد گھر کے مرد اگر رحمی رشتے کے باعث ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہوں تو گھر کی بہوئیں استثنائی صورتوں کے علاوہ اجنبی گھروں سے آئی اور رشتہ و قرابت کی اس نسبت سے عاری ہوتی ہیں۔ ان اجنبی افراد کو مشترک خاندان کے غیر فطری نظام میں مصنوعی طور پر ایک دوسرے سے جوڑنے کی کوشش کرنا، زبردستی کی پیوندکاری ہے جو کامیابی سے ہم کنار نہیں ہو سکتی۔ بڑے گھروں میں ہر وقت اور آئے دن کے جھگڑوں ٹنٹوں کے علاوہ، اس بوجھ کے ناقابل برداشت ہو جانے کی صورت میں جب خاندان کا شیرازہ بکھرتا ہے تو اس کا عبرتناک انجام نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے۔

اس سے ہٹ کر اس غیر فطری نظام میں تعلقات کی خرابی کا دوسرا پہلو بھی ہے جس کا تعلق خاص طور پر میاں بیوی کے تعلقات سے ہے۔ شوہر اور بیوی غالب احوال میں ایک دوسرے کے لیے اجنبی اور نکاح کے معاہدہ (CONTRACT) کے ذریعہ ایک دوسرے کے شریک حیات اور ہمدم و ہمراز بنتے ہیں۔ بلکہ سچی بات یہ ہے کہ اس تعلق میں آنے کے بعد اگر پچھلے رشتے ہوں بھی تو وہ بالکل کمزور اور پردۂ خفا میں چلے جاتے ہیں۔ اور ازدواجی رشتہ سب کے اوپر اپنی چھاپ ڈال لیتا اور غالب آجاتا ہے۔ دو اجنبیوں میں بڑھی ہوئی مطلوبہ قربت کا یہ رشتہ حد درجہ حساس اور دوسرے تمام انسانی تعلقات میں شاید یہ سب سے زیادہ نازک اور پیچیدہ رشتہ ہوتا ہے۔ شاید اس رشتہ کی یہی نزاکت ہے جس کے پیش نظر خاص طور پر اسلام میں شوہر کو بیوی اور بیوی کو شوہر کا بہت زیادہ خیال اور ایک دوسرے کی دل شکنی اور دل آزاری سے اجتناب کی تلقین کی گئی ہے۔

یک جان بدو قالب کے محاورہ کا مصداق ہونے کے باوجود اجنبیت کے حجاب

اور اس رشتہ کی مخصوص نوعیت کے پیش نظر میاں بیوی میں ایک دوسرے سے شکر رنجی و ناراضی اور تعلقات میں سرد مہری کے امکانات بہت زیادہ ہوتے ہیں اور طویل ازدواجی زندگی میں قدم قدم پر اس صورت حال سے واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ تلخیاں اور ناگواریاں پیدا ہوتی رہتی ہیں اور روٹھنے اور منانے کا سلسلہ برابر لگا رہتا ہے۔ گھر کی یونٹ الگ ہو تو روٹھے ہوئے کو منانے اور بات کو آگے بڑھنے سے روکنے کے مواقع زیادہ حاصل ہوتے ہیں۔ مشترک خاندان میں بے تکلفی کا یہ ماحول باقی نہیں رہتا جس کے نتیجے میں بسا اوقات ایک معمولی سی بات بہت بڑی اور تلخی کا ذرا سا شگاف بڑے دراڑ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ گھر کی علیحدہ یونٹ میں جس ذرا سی بات کو وہیں کا وہیں دبایا اور ختم کیا جا سکتا تھا مشترک خاندان کے اژدہام میں اس کا سلسلہ دراز سے دراز تر ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ بسا اوقات اس کے الاؤ میں نکاح کا رشتہ ہی بھسم ہو کر رہ جاتا ہے۔ ان گئے گزرے مشترک خاندانوں کو چھوڑیے جن میں ساس کی بہوؤں پر بے جا حکمرانی اور تند بھاوجوں کا عرصہ حیات تنگ کئے ہوتی ہے کہ اس کی قباحتوں اور لائی ہوئی آفتوں کو شاید دل کے اندھے ہی نہ محسوس کر سکیں، اس لعنت سے محفوظ پھیلے ہوئے خاندان کے اندر بھی زن وشو کے تعلقات کے سلسلے کی مذکورہ خرابی اور اس سلسلے کی ناہمواریاں برقرار رہتی ہیں۔ مسلمان معاشرہ میں کتنی ہی بہویں اور بیٹیاں ہیں جو اس نظام کی بھینٹ چڑھ کر، طلاق یا بالفعل علیحدگی سے دوچار بے بسی اور بے کسی کی زندگی بسر کرنے کے لیے مجبور ہیں۔

اسلام کا مطلوبہ خاندانی نظام

مشترک خاندانی نظام کے یہ چند در چند نقصانات ہیں جن سے بچنے کے لیے اسلام نے اپنے مطلوبہ خاندان کا نقشہ اس سے الگ اور بالکل علیحدہ قرار دیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ لباس اور غذا کی طرح رہائش اور مکان بھی انسان کی ایک مستقل ضرورت ہے۔ آدمی، جوان شادی شدہ اور سمجھ دار ہو جائے تو اس کے مکان کی یونٹ بھی علیحدہ ہو جانی چاہیئے۔ ہر آدمی کے کچھ متعلقین اور لواحقین ہوتے ہیں جو لازماً اس کے ساتھ رہیں گے۔ البتہ دو مساوی حیثیتوں کے افراد کا ایک ہی ساتھ اور ایک ہی انتظام کے تحت رہنا کسی صورت مناسب اور موزوں نہیں ہے۔ مکان کے ساتھ ہی گھر کا انتظام اور اس کے مالی معاملات بھی ہر شخص کے الگ اور آزاد ہونے چاہئیں۔ معاشرت کی سہولیات کے ساتھ اسلام کا یہی پسندیدہ طرز زندگی ہے۔

ہر شخص کے لیے الگ مکان

معاشرہ کے ہر فرد کو اس کے بیوی بچوں کے لیے مکان کی سہولت الگ حاصل ہونی چاہیئے جس کے انتظام میں وہ خود مختار اور دوسروں کی مداخلت سے آزاد ہو، قرآن کی تصریحات اور اس کے واضح اشارات اس کے حق میں ہیں۔ اس سلسلے کا جہاں کہیں وہ کوئی حکم بیان کرتا ہے مکان کا تذکرہ ہر شخص کے لیے الگ کرتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ ...... اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو۔

آدمی کی بیویاں ایک سے زاید ہوں تو ہر ایک کا مکان بھی الگ الگ ہونا چاہیئے۔ قرآن نے ازواج مطہرات میں سے ہر ایک کے الگ مکان کا ذکر کیا ہے۔ انھیں پردہ کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ ... (احزاب:۳۳) اپنے (الگ) گھروں میں ٹک کر رہو۔

آگے ارشاد ہوا:

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ (احزاب:۳۴) اور یاد کرو اللہ کی آیتوں اور حکمت کی بات کو جو (الگ الگ) تم سب کے گھروں میں سنائی جا رہی ہے۔

دوسرے مواقع پر بھی اس بات کا ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے لیے الگ الگ مکانات تھے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ .... (احزاب:۵۳) اے لوگو جو ایمان لائے ہو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے (الگ الگ) گھروں میں داخل نہ ہو، سوائے اس کے کہ تم کو اجازت مل جائے

یہاں تک کہ قرآن کی ایک سورہ کا نام ہی 'حجرہ' کمرہ/مکان کی جمع 'حجرات' قرار پایا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام بیویوں کے مکان الگ الگ ہونے کی صراحت ہے۔ جفاکیش بدوں کو جو آداب تہذیب سے ناآشنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر کمرہ کے پیچھے سے تیز تیز آواز دیتے تھے اس لیے کہ انھیں پتہ نہیں ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات رضؓ میں سے کس کے کمرے میں ہیں[1]، قرآن نے ان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

---

[1] تفسیر الجلالین /۶۸۵ – دار المعرفۃ، بیروت ۱۹۸۳ء

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ (حجرات: ۴)	بیشک جو لوگ تم کو پکارتے ہیں (الگ الگ) کمروں کے پیچھے سے ان میں سے اکثر سمجھتے نہیں ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ

اس سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ آپ کی تمام ازواج مطہرات کے مکان الگ الگ تھے۔ سیرت و تاریخ کے ذخیرے میں اس کی تفصیل ملتی ہے۔ جس کے مطابق آپ کی ہر ایک بیوی کے رہنے کا مکان الگ تھا۔ البتہ یہ سارے مکانات ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے۔ قرآن پاک میں 'حجرات' 'بیوت النبی' اور 'بیوتکن' سے انہی کی طرف اشارہ ہے[1] زید بن عبداللہ ہذلی کا بیان ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسجد نبوی میں توسیع کی غرض سے جب ان مکانوں کو زمین بوس کرایا تو میں نے انھیں دیکھا تھا۔ یہ مکان اینٹوں کے تھے اور ان میں کمرے کھجور کے تنوں سے تیار کیے گئے تھے جن پر مٹی سے پتائی کی گئی تھی۔ فرماتے ہیں کہ میں نے شمار کیا تو یہ کل نو مکان تھے جن سے ملحق کمرے ان کے علاوہ تھے[2] عمر بن ابی انس اس کی مزید تفصیل بیان کرتے ہیں کہ چار مکان اینٹوں کے تھے جن میں کھجور کے تنوں سے تیار کیے گئے کمرے بھی تھے اور پانچ مکان کھجور کے تنوں سے تیار کیے گئے تھے جن پر مٹی کی پتائی کی گئی تھی۔ البتہ ان میں الگ سے کمرے نہ تھے۔[3] رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات سے بھی اس چیز کا صاف اشارہ ملتا ہے اس لیے کہ آپ ہر شب اپنی تمام بیویوں کو اس بیوی کے مکان میں اکٹھا فرماتے تھے جن کے ہاں رات گزارنے کی آپ کی باری ہوتی تھی۔ بسا اوقات آپ کا کھانا بھی ان سب کے ساتھ اکٹھا ہوتا تھا۔ پھر یہ سب اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاتی تھیں[4] مزید براں آپؐ عام طور پر بعد عصر ہر ایک بیوی کے مکان پر تشریف لے جاتے اور الگ الگ ہر ایک کی ضروریات معلوم فرماتے۔ بعد نماز مغرب کسی ایک کے مکان پر سب بیویوں سے مختصر ملاقات فرماتے۔ پھر باری باری ہر ایک کے گھر میں آرام فرماتے۔[5]

---

[1] رحمۃ للعالمین: ۲/۱۵۷۔ مکتبہ رحمت دیوبند

[2] ابن سعد: الطبقات الکبری: ۱/۴۹۹۔ بیروت ۱۹۶۰ء [3] حوالہ سابق / ۵۰۰

[4] تفسیر ابن کثیر: ۱/۴۶۶۔ [5] رحمۃ للعالمین: ۲/۱۵۶-۱۵۷۔

مالیات کی علیحدگی

جداگانہ معاشرت کے ساتھ ازواج مطہرات کے مالی معاملات بھی ایک دوسرے سے بالکل الگ تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک بیوی کے نان نفقہ کا انتظام الگ الگ فرماتے تھے۔ فتح خیبر کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک کے لیے اسّی وثق کھجور کے اور بیس جو کے سالانہ مقرر کر دئیے تھے[1] اسی طرح دودھ کے واسطے آپ ہر ایک بیوی کے لیے عام طور پر ایک دودھ والی اونٹنی فراہم کرتے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ ازواج مطہرات اپنی بڑھی ہوئی دینداری میں ضرورت بھر رکھ کر باقی سب چیزوں کو بیواؤں اور یتیموں وغیرہ پر خیرات کر دیتی تھیں[2]۔ ازواج مطہرات کے ہاں باہم تحفے تحائف کا تبادلہ بھی ہوتا تھا۔ اس طرح کہ ان کے انتظامات اور مالی معاملات ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ ہوں۔ مشہور واقعہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات میں سے کسی ایک کے ہاں تھے کہ امہات المومنین میں سے کسی نے ملازم کے ذریعہ ایک پیالہ میں کھانے کی کوئی چیز تحفہ میں بھیجی۔ ان صاحبہ نے معروف سوکنانہ چشمک سے اس پر ایسا ہاتھ مارا کہ پیالہ گر کر ٹوٹ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بکھرے ہوئے اجزا کو سمیٹ کر کھانے کو دوبارہ اس میں رکھا۔ پھر آپ نے ٹوٹے ہوئے پیالے کو روک لیا اور اس جگہ پر صحیح سالم پیالہ واپس کرایا امام بخاری نے اس واقعہ کو 'مظالم و قصاص' کے ابواب کے تحت درج کیا ہے[3] اس واقعہ سے ازواج مطہرات کے گھروں کے مالی معاملات کی علیحدگی کا تو صاف پتہ چلتا ہی ہے اس لیے کہ ہدیہ اور تحفہ تحائف کا لین دین دو الگ گھروں کے اندر ہی ہوتا ہے، مزید براں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چیز بالکل ممتاز اور واضح تھی کہ ایک پیالہ کے معاملہ کو بھی معاوضہ دلائے بغیر یوں ہی نہیں چھوڑا گیا۔ صاحب مشکوٰۃ نے اس پر 'غصب و عاریہ' کا باب باندھا ہے[4] جس میں کسی کی چیز کو بلا وجہ ضائع اور خراب کرنے پر اسے قابل تاوان اور کسی غصب کردہ شئی کی طرح اس کی اسی طرح واپسی لازم خیال کی گئی۔ ظاہر ہے کہ یہ چیز دو الگ گھروں کے سلسلے میں ہی درست

---

[1] بخاری جلد ۱ الواب الحرث والمزارعۃ باب المزارعۃ بالشطر ونحوہ

[2] رحمۃ للعالمین بحوالہ سابق ۱۵۷/ [3] بخاری جلد ۱۔ ابواب المظالم والقصاص۔ باب اذا کسر قصعۃ او شیئاً لغیرہ۔

[4] مشکوٰۃ المصابیح۔کتاب البیوع۔ باب الغصب والعاریہ۔

ہوسکتی ہے جن کے معاملات ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ ہوں۔

حضرت علیؓ اور فاطمہؓ کا الگ مکان

شادی کے بعد آپ نے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے مکان کو بھی اپنے سے بالکل الگ قرار دیا۔ حضرت فاطمہ زہراؓ سے آپؐ کو جو غیر معمولی تعلق تھا وہ معلوم ہے۔ یہاں تک کہ ایک موقعہ پر آپؐ نے فرمایا کہ:

فاطمة بضعة منی یریبنی ما ارابها ویوذینی ما آذاها[1]	فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ جس چیز سے اس کو پریشانی ہوتی ہے اس سے مجھکو پریشانی ہوتی ہے اور جس چیز سے اس کو تکلیف ہوتی ہے اس سے مجھکو تکلیف ہوتی ہے۔

دوسرے موقعہ پر آپؐ نے دنیا کے تمام لوگوں میں انھیں اپنے سے سب سے زیادہ محبوب اور عزیز قرار دیا[2]۔ اسی طرح حضرت علیؓ آپؐ کے سگے چچیرے بھائی تھے۔ اور چچا بھی ابو طالب جن کے آپ پر احسانات بے پایاں تھے۔ جنھوں نے بچپن سے آپ کو بیٹے کی طرح پالا تھا۔ اور سفر ہو کہ حضر ہر جگہ وہ آپ کو سینے سے لگائے اور اپنے سے چمٹائے رکھتے تھے۔ نبوت کے منصب پر فائز ہونے کے بعد بھی آپؐ سے ان کا تعلق اسی طرح برقرار رہا۔ اور ہر چند کہ وہ خود اسلام کی دولت سے بہرہ ور نہ ہو سکے لیکن اس رشتے کے باعث آپ اپنے بھتیجے کے ہمیشہ پشتیبان رہے۔ دعوت اسلامی کے ابتدائی ایام میں جبکہ آپ میدان میں بالکل تنہا اور ہر طرف سے مخالفتوں کے طوفان میں گھرے ہوئے تھے، ان کی حمایت و پشتیبانی آپ کا سب سے بڑا سہارا تھی۔ یہ آپ ہی کی بلند و بالا شخصیت اور آپ کے بڑھے ہوئے اثر و رسوخ کا نتیجہ تھا کہ قریش کے بڑے بڑے دشمنان اسلام جو اس دین کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کے لیے تلے ہوئے تھے اور اس کی وجہ سے ان کی رات کی نیندیں اور دن کا سکون حرام ہو گیا تھا لیکن ابو طالب کے رعب و دبدبہ سے وہ بھتیجے کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ کر سکتے تھے۔ چچا کے ان بے پایاں احسانات کے ساتھ چچیرے بھائی کی شخصیت کی دلآویزی بھی کچھ کم نہ تھی۔ نوجوانوں میں سب سے

---

[1] متفق علیہ بحوالہ مشکوٰۃ، کتاب الفتن۔ باب مناقب اہل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

[2] جامع ترمذی بحوالہ مذکور۔

پہلے آپ پر ایمان لانے والے یہی تھے اور کمسنی کے باوجود ہر سرد و گرم میں وہ آپ کے ساتھ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس عم زاد بھائی سے غیر معمولی تعلق تھا۔ حضرت فاطمہؓ کے بعد اپنے خاندان میں آپ کو سب سے زیادہ محبت انہی سے تھی[۱]۔ دوسرے موقعہ پر آپ نے فرمایا کہ علیؓ مجھ سے ہیں اور میں علیؓ سے ہوں[۲]۔ ایک اور موقعہ پر ارشاد ہوا کہ 'تم دنیا و آخرت ہر جگہ میرے بھائی ہو'[۳]۔ لیکن قربت و تعلق کے ان چند در چند اسباب و عوامل کے باوجود شادی کے بعد فاطمہؓ کے ساتھ ان کا مکان آپ نے اپنے سے الگ قرار دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی نرینہ اولاد موجود نہ تھی۔ اور حضرت علیؓ آپ کے غیر معمولی تعلق کے سگے چچیرے بھائی تھے۔ اس طرح حضرت فاطمہؓ سے ان کا رشتہ گویا بالکل گھر کا رشتہ تھا۔ جن کا الگ مکان میں رکھا جانا، مشترک خاندانی نظام کے پس منظر میں، شاذ و نادر حالات ہی میں ممکن ہو سکتا تھا۔ لیکن ٹھیٹھ اسلام کے تقاضوں پر عمل کرتے ہوئے شادی کے بعد علیؓ و فاطمہؓ کا مکان الگ قرار پایا۔ رخصتی کے بعد آپ ان کے ہاں گئے اور حضرت علیؓ سے فرمایا:

"دونك اهلك" 'یہ لو تمہاری بیوی تمہارے پاس ہے'۔

اس کے بعد آپ یہاں سے نکلے اور پیٹھ پھیر کر چل دئے۔ اور دونوں کے حق میں دعا کرتے رہے یہاں تک کہ اپنے کمروں میں چھپ گئے[۴]۔ اس کے بعد سے آپ کا معمول تھا کہ جب کسی سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے مسجد نبوی میں تشریف لے جاتے۔ دو رکعت نفل پڑھتے پھر سیدھے سیدہ فاطمہؓ کے گھر تشریف لے جاتے۔ پھر اپنے گھر رونق افروز ہوتے[۵]۔ اسلام کے نقطۂ نظر سے اگر مشترکہ خاندان کی کوئی گنجائش ہوتی تو علیؓ و فاطمہؓ سے بڑھ کر اس گنجائش سے فائدہ اٹھانے کا کوئی دوسرا موقع نہ ہو سکتا تھا۔ لیکن پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے ان لختہائے جگر کے سلسلے میں اس کی گنجائش نہ رکھی تو پھر دور دراز کے رشتوں کے سلسلے میں اس کی گنجائش کیوں کر نکل سکتی ہے؟

---

[۱] حوالہ مذکور [۲] حوالہ سابق بحوالہ ترمذی۔ فصل ثانی [۳] ترمذی بحوالہ مذکور

[۴] محمد یوسف کاندھلوی: حیاۃ الصحابہ: ۲/ ۶۶۸ تحقیق و تعلیق: شیخ نائف عباس اور محمد علی دولہ۔ شرکۃ الراجی للتجارہ۔

[۵] رحمۃ للعالمین: ۲/ ۱۱۱۔